ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 1912

Program: BS Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY, ISLAMABAD

کورس :اسلامی و مغربی تہذیب و افکار تاریخی تناظر میں(1912)

سطح :بی ایس علوم اسلامیہ

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ) شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت(

سمسٹر :خزاں2026ء(Semester: Autumn 2026)

امتحانی مشق نمبر) ۱ یونٹ نمبر 1 تا — (5 کل نمبر100 :، کامیابی کے نمبر50 :

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ - برائے مطالعہ و حوالہ(For Study & Reference)

نوٹ :یہ گائیڈ صرف مطالعے اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر امتحانی مشق اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔ نقل شدہ یا ہو بہو کاپی کی گئی مشق قبول نہیں کی جائے گی۔

سوال نمبر :1 رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی بعثت سے قبل عالمی تہذیب پر نوٹ تحریر کریں۔) نمبر(20 :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی بعثت سے قبل عالمی تہذیب پر نوٹ تحریر کریں۔

تعارف

بعثتِ نبوی سے قبل کی عالمی تہذیب کا مطالعہ اس لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے بغیر نہ اسلام کے ظہور کی تاریخی معنویت سمجھ میں آتی ہے اور نہ یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی دعوت کس ماحول میں اور کن حالات کے جواب میں سامنے آئی۔ چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور ساتویں صدی عیسوی کے آغاز کا دور انسانی تاریخ کا وہ دور ہے جس میں بڑی بڑی سلطنتیں، قدیم مذاہب اور عظیم تہذیبیں اپنی اصل روح کھو چکی تھیں۔ روم اور فارس کی عظیم الشان سلطنتیں سیاسی طور پر تو موجود تھیں، مگر اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی اعتبار سے زوال کی گہرائیوں میں گر چکی تھیں۔

مؤرخین اس دور کو عموماً تاریک دور سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ انسانیت مجموعی طور پر جہالت، ظلم، طبقاتی تقسیم، مذہبی تحریف اور اخلاقی انحطاط کا شکار تھی۔ اس نوٹ میں بعثت سے قبل کی عالمی تہذیب کے سیاسی، مذہبی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایسے ماحول میں ایک عالمیگیر اور آفاقی پیغام کی اشد ضرورت کیوں تھی اور اسلام نے اس خلا کو کس طرح پُر کیا۔

سیاسی منظر نامہ :روم و فارس کی کشمکش

بعثت سے قبل دنیا کی سیاست دو عظیم طاقتوں کے گرد گھومتی تھی :مشرق میں ساسانی سلطنتِ فارس اور مغرب میں بازنطینی) رومی (سلطنت۔ یہ دونوں سلطنتیں صدیوں سے آپس میں برسرِ پیکار تھیں، اور ان کی باہمی جنگوں نے مشرقِ وسطیٰ، شام، مصر اور اناطولیہ کے علاقوں کو تباہی و بربادی کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ ان جنگوں میں عام انسان پس رہا تھا، کھیتیاں اجڑتی تھیں، شہر لٹتے تھے اور ٹیکسوں کا بوجھ عوام کی کمر توڑ دیتا تھا۔ دونوں سلطنتوں میں بادشاہت مطلق العنان تھی؛ بادشاہ خود کو خدا کا نمائندہ یا سایۂ خدا سمجھتا تھا اور رعایا کی حیثیت غلاموں سے زیادہ نہ تھی۔

فارس میں خسرو پرویز جیسے حکمرانوں کی عیش پرستی، محلّاتی سازشیں اور سخت طبقاتی نظام نے سماج کو اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ روم میں بھی قیصر کی مطلق طاقت، درباری سازشیں اور فوجی بغاوتیں معمول بن چکی تھیں۔ سیاسی نظام میں نہ شورائیت تھی، نہ قانون کی بالادستی اور نہ عوام کی کوئی آواز۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں ان بڑی طاقتوں کی کٹھ پتلیاں تھیں۔ غرض یہ کہ عالمی سیاست طاقت، جبر اور مفاد پرستی کے گرد گھومتی تھی اور عدل و انصاف کا تصور عملاً معدوم ہو چکا تھا۔

مذہبی حالت :تحریف، رسم پرستی اور انتشار

مذہبی اعتبار سے بھی دنیا سخت ابتری کا شکار تھی۔ یہودیت نسل پرستی اور سخت گیر رسومیت میں مبتلا ہو چکی تھی؛ یہودی خود کو صرف بنی اسرائیل تک محدود منتخب قوم سمجھتے تھے اور ان کی مذہبی قیادت نے شریعت کو رسموں کے جال میں جکڑ دیا تھا۔ عیسائیت میں تثلیث کے عقیدے، رہبانیت اور کلیسا کی آمریت نے توحید کی اصل تعلیم کو ماند کر دیا تھا۔ کلیسا علم و فکر کا دشمن بن چکا تھا اور پاپائیت کے نام پر مذہب اقتدار اور دولت کا ذریعہ بن گیا تھا۔

فارس میں مجوسیت یعنی آتش پرستی رائج تھی؛ آگ کو مقدس سمجھ کر اس کی پرستش کی جاتی تھی اور خیر و شر کے دو خداؤں کا عقیدہ عام تھا۔ ہندوستان میں ذات پات کا سخت نظام اور بت پرستی عروج پر تھی۔ یونانی و رومی دیو مالائی عقائد اخلاقی رہنمائی سے عاجز تھے۔ عرب میں کعبہ جیسے توحید کے مرکز میں بھی تین سو ساٹھ بت رکھے جا چکے تھے۔ خلاصہ یہ کہ مذاہبِ عالم یا تو تحریف کا شکار ہو چکے تھے یا محض رسموں کا مجموعہ بن کر رہ گئے تھے، اور انسان روحانی سکون کی تلاش میں در در بھٹک رہا تھا۔

معاشرتی و اخلاقی انحطاط

بعثت سے قبل کے معاشرے اخلاقی اعتبار سے شدید زوال پذیر تھے۔ شراب نوشی، جوا، سود خوری اور فحاشی عام تھی۔ قبائلی عصبیت نے عرب معاشرے کو خانہ جنگیوں میں مبتلا کر رکھا تھا؛ معمولی معمولی باتوں پر چالیس چالیس سال تک لڑائیاں جاری رہتی تھیں، جیسے بسوس اور داحس و غبراء کی جنگیں مشہور ہیں۔ بدلہ اور انتقام کو فضیلت سمجھا جاتا تھا اور کمزور کو طاقتور کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

عورت کی حالت انتہائی ابتر تھی۔ بیشتر معاشروں میں عورت کو وراثت سے محروم رکھا جاتا، اسے ملکیت سمجھا جاتا اور اس کی کوئی آزاد حیثیت تسلیم نہ کی جاتی۔ عرب کے بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی رسم موجود تھی۔ روم و فارس میں بھی عورت کھیل تماشے اور عیش کا سامان سمجھی جاتی تھی۔ غلامی کا نظام پوری دنیا میں رائج تھا؛ غلام خریدے اور بیچے جاتے، ان پر بے رحمانہ تشدد ہوتا اور انھیں انسانی حقوق حاصل نہ تھے۔ یوں پوری انسانیت طبقوں میں بٹی ہوئی تھی اور انسان کی حرمت و کرامت کا تصور تقریباً ختم ہو چکا تھا۔

معاشی استحصال اور طبقاتی تقسیم

معاشی نظام بھی ظلم و استحصال پر مبنی تھا۔ سود کا لین دین عام تھا اور قرض دار نسل در نسل غلامی میں جکڑا جاتا تھا۔ روم و فارس کے حکمران عوام پر بھاری ٹیکس لگا کر اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے تھے۔ فارس میں معاشرہ چار بڑے طبقوں میں تقسیم تھا اور نچلے طبقے کے لیے ترقی کے دروازے بند تھے۔ ہندوستان میں شودر کو تعلیم اور مذہبی رسوم سے محروم رکھا جاتا تھا۔

تجارتی راستوں پر لوٹ مار عام تھی، ناپ تول میں کمی بیشی ہوتی اور جوا و سٹے بازی کو آمدنی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ محنت کش اور کسان کی محنت کا پھل جاگیردار اور سرمایہ دار کھاتا تھا۔ اس معاشی ناہمواری نے سماج میں نفرت، بغاوت اور اضطراب کو جنم دیا تھا۔ انسان مادّی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی ایک نجات دہندہ کا منتظر تھا، اور ہر قوم میں کسی مصلح کے ظہور کی توقعات موجود تھیں۔

علم و تہذیب کا زوال

علمی اعتبار سے بھی یہ دور انحطاط کا دور تھا۔ یونان کی فلسفیانہ روایت اپنا عروج کھو چکی تھی اور محض بحث و جدل تک محدود ہو گئی تھی۔ روم میں علم و ادب کی سرپرستی کم ہو کر عمارت و جنگی مہمات تک رہ گئی تھی۔

کلیسا نے سائنسی تحقیقات پر پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ عرب میں خواندگی نایاب تھی؛ مکہ جیسے تجارتی مرکز میں بھی لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔

تاریخ، جغرافیہ اور طب جیسے علوم چند مخصوص طبقوں تک محدود تھے اور عام انسان توہمات، جادو ٹونے اور کہانت کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا۔ بیماریوں کا علاج ٹوٹکوں سے ہوتا اور فلکیات نجوم پرستی میں بدل چکی تھی۔ تہذیب کے ظاہری مظاہر، یعنی بڑی عمارتیں، دربار کی شان و شوکت اور فوجی طاقت تو موجود تھیں، مگر تہذیب کی روح، یعنی عدل، علم، اخلاق اور انسان دوستی، مر چکی تھی۔ یہی وہ خلا تھا جسے بھرنے کے لیے ایک ایسی تعلیم درکار تھی جو خدا اور بندے، فرد اور معاشرے، اور دنیا و آخرت کے درمیان توازن قائم کرے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ بعثتِ نبوی سے قبل عالمی تہذیب اپنے تمام پہلوؤں، سیاسی، مذہب، معاشرت، معیشت اور اخلاق میں زوال کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ روم و فارس کی سلطنتیں اندر سے کھوکھلی تھیں، مذاہب تحریف و رسم پرستی کا شکار تھے، عورت اور غلام ذلت کی زندگی گزار رہے تھے اور علم و عدل ناپید تھے۔ ایسے تاریک ماحول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی بعثت انسانیت کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوئی۔ اسلام نے توحید، عدل، مساوات، علم اور اخلاق کی بنیاد پر ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی جس نے چند ہی عشروں میں دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ اس پس منظر کو سمجھے بغیر اسلامی تہذیب کے عروج کا راز سمجھنا ممکن نہیں۔

سوال نمبر :2 تہذیب کا لغوی و اصطلاحی معنی لکھتے ہوئے اسلامی تہذیب کے خصائص تحریر کریں۔) نمبر(20 :

تہذیب کا لغوی و اصطلاحی معنی لکھتے ہوئے اسلامی تہذیب کے خصائص تحریر کریں۔

تعارف

تہذیب انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی رویوں کا وہ مجموعہ ہے جو کسی قوم یا معاشرے کی شناخت بنتا ہے۔ کسی بھی تہذیب کو سمجھنے کے لیے پہلے اس کا مفہوم واضح کرنا ضروری ہے، کیونکہ تہذیب کا لفظ مختلف مفکرین کے ہاں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جب ہم اسلامی تہذیب کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد وہ نظامِ زندگی ہے جو قرآن و سنت کی بنیاد پر وجود میں آیا اور جس نے چودہ صدیوں سے انسانی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

اس جواب میں پہلے تہذیب کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیے جائیں گے، پھر اس کا ثقافت و تمدن سے تعلق واضح کیا جائے گا اور آخر میں اسلامی تہذیب کے ان خصائص پر روشنی ڈالی جائے گی جو اسے دنیا کی دیگر تہذیبوں سے ممتاز کرتے ہیں۔

تہذیب کا لغوی معنی

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "ھ ذ ب" ہے۔ عربی لغت میں" ھذّب الشیء "کے معنی کسی چیز کو تراش خراش کر صاف اور درست کرنے، اس کی خامیوں اور زائد کو دور کرنے اور اسے سنوارنے کے ہیں۔ درخت کی بے ترتیب شاخوں کو کاٹ کر اسے درست شکل دینا بھی" تہذیب "کہلاتا ہے۔ اسی لغوی مفہوم کی روشنی میں جب یہ لفظ انسان کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد انسانی اخلاق و کردار کی اصلاح، اس کی فطرت کی تربیت اور اسے شائستگی و نفاست عطا کرنا ہوتا ہے۔

اسی لیے عربی ادب میں مہذب اس شخص کو کہا جاتا ہے جو با اخلاق، شائستہ، متمدن اور بُرائیوں سے پاک ہو۔ لغوی مفہوم ہی ہمیں بتاتا ہے کہ تہذیب محض ظاہری آرائش کا نام نہیں، بلکہ یہ باطن کی تطہیر اور شخصیت کی تکمیل کا عمل ہے۔ اردو میں بھی تہذیب کا لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے اور" تہذیب یافتہ "اسی شخص کو کہتے ہیں جس کے اخلاق، گفتگو، نشست و برخاست اور معاشرت میں نفاست و شائستگی پائی جائے۔

تہذیب کا اصطلاحی معنی اور مفکرین کی آراء

اصطلاح میں تہذیب سے مراد کسی قوم یا معاشرے کے عقائد، اخلاق، افکار، علوم و فنون، رسم و رواج، طرزِ زندگی اور اجتماعی اداروں کا وہ مجموعہ ہے جو اس کی انفرادی شناخت کو ظاہر کرتا ہے۔ مشہور مؤرخ و عمرانیات کے بانی ابن خلدون نے تہذیب و تمدن کو انسانی اجتماع کی ترقی یافتہ صورت قرار دیا اور بدویت سے حضارت کی طرف سفر کو انسانی معاشرے کی فطری ارتقائی منزل بتایا۔ مغربی مفکرین میں ٹائلر نے تہذیب وثقافت کو علم، عقیدے، فن، اخلاق، قانون اور رسوم کا مجموعہ قرار دیا۔

بعض مفکرین تہذیب اور تمدن میں فرق کرتے ہیں :تمدن سے مراد مادّی ترقی، شہر، عمارتیں اور وسائل لیے جاتے ہیں، جبکہ تہذیب کا تعلق ذہنی، اخلاقی اور روحانی اقدار سے ہوتا ہے۔ ثقافت کا لفظ بھی اسی خاندان سے ہے جس کا مرکز انسانی

ذوق، ادب اور فن ہوتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے تہذیب محض مادّی آسائش یا رسم و رواج کا نام نہیں بلکہ وہ مکمل نظامِ حیات ہے جس کی بنیاد وحی پر ہے اور جس کا مقصد انسان کی دنیا و آخرت دونوں کی فلاح ہے۔ اسی لیے اسلامی تہذیب کو دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں ایک نظریاتی اور مقصدی تہذیب کہا جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب کے خصائص :توحید اور وحی کی بنیاد

اسلامی تہذیب کا سب سے پہلا اور بنیادی خاصہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد عقیدۂ توحید اور وحیِ الٰہی پر ہے۔ دیگر تہذیبیں انسانی عقل، قبائلی روایات یا حکمرانوں کی خواہشات سے جنم لیتی ہیں، مگر اسلامی تہذیب کا منبع قرآن مجید اور سنتِ نبوی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے اصول اٹل اور ہمہ گیر ہیں اور یہ زمان و مکان کی قیود سے بلند ہے۔ توحید نے انسان کو مخلوق کی غلامی سے نکال کر ایک خدا کا بندہ بنایا اور اس طرح فکری و فکری وحدت پیدا کی جس سے ایک عالمگیر امت کا تصور وجود میں آیا۔

دوسرا خاصہ اس کی جامعیت اور ہمہ گیری ہے۔ اسلامی تہذیب زندگی کے کسی ایک پہلو تک محدود نہیں؛ یہ عبادت، اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون، تعلیم اور جنگ و امن سمیت زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ تیسرا خاصہ اس کی اخلاقی بنیاد ہے :اس میں ہر عمل کی قدر و قیمت اس کے اخلاقی پہلو سے متعین ہوتی ہے، اور طاقت و دولت بھی اخلاق کے تابع ہیں۔ اسی لیے اسلامی تہذیب مادّی ترقی کے باوجود ظلم و استحصال کو جائز قرار نہیں دیتی۔

انسانیت، مساوات، عدل اور اخوت

اسلامی تہذیب کا ایک نمایاں خاصہ انسان کی حرمت و کرامت کی پاسداری ہے۔ قرآن نے بنی آدم کو مکرم قرار دیا، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل، رنگ یا قوم سے ہو۔ چنانچہ اس تہذیب نے رنگ، نسل، زبان اور ذات پات کی تفریق کو ختم کر کے انسانی مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا؛ حج کے اجتماع اور مسجد کی صفوں میں بادشاہ و فقیر ایک ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔

عدل و انصاف اس تہذیب کی روح ہے۔ قرآن نے عدل کا حکم دوست و دشمن دونوں کے لیے یکساں دیا اور اسلامی تاریخ میں قاضی کے سامنے خلیفہ وقت کی پیشی اس کی عملی مثال ہے۔ اخوت و بھائی چارہ بھی اس کا طرۂ امتیاز ہے؛" انما المؤمنون اخوة "کے اصول نے قبائلی عصبیت کو ختم کر کے ایک عالمگیر برادری قائم کی۔ اسی طرح اس تہذیب میں

کمزوروں، یتیموں، مسکینوں اور غلاموں کے حقوق کی حفاظت کو مذہبی فریضہ قرار دیا گیا اور زکاۃ و صدقات کے ذریعے دولت کی منصفانہ گردش کا نظام بنایا گیا۔

علم کی اہمیت، اعتدال اور عالمگیریت

اسلامی تہذیب کا اہم خاصہ علم کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ وحی کی پہلی آیت" اقرأ "سے نازل ہوئی، قلم کی قسم کھائی گئی اور علم کو عبادت کا درجہ دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تہذیب نے چند صدیوں میں ریاضی، طب، فلکیات، کیمیا اور فلسفے میں دنیا کی قیادت کی اور بغداد، قرطبہ اور قاہرہ علم کے عالمی مرکز بنے۔ یہ تہذیب دوسری اقوام کے علوم کو حاصل کرنے میں تعصب نہیں برتتی؛ حکمت کو مؤمن کی گمشدہ میراث قرار دے کر یونانی، فارسی اور ہندی علوم کو اپنایا اور ان میں اضافہ کیا۔

اعتدال و توازن بھی اس کا نمایاں وصف ہے۔ یہ رہبانیت کی طرح دنیا کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیتی اور نہ مادہ پرستی کی طرح آخرت کو فراموش کرتی ہے، بلکہ دنیا و آخرت، جسم و روح اور فرد و معاشرے کے درمیان حسین توازن قائم کرتی ہے۔ اسی طرح یہ ایک عالمگیر تہذیب ہے جو کسی ایک قوم یا خطے کی ملکیت نہیں۔ اس کی آخری خصوصیت اس کا تسلسل اور بقا ہے :چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کی بنیادیں وحی کی صورت میں محفوظ ہیں، اس لیے سیاسی زوال کے باوجود یہ تہذیب بار بار احیا کی صلاحیت رکھتی ہے۔

نتیجہ

مختصر یہ کہ تہذیب کا لغوی معنی سنوارنا اور پاکیزہ بنانا ہے اور اصطلاحاً یہ کسی قوم کے عقائد، اخلاق، علوم و فنون اور نظامِ زندگی کا مجموعہ ہے۔ اسلامی تہذیب اپنے خصائص کی بنا پر تمام تہذیبوں سے ممتاز ہے :اس کی بنیاد توحید و وحی پر ہے، یہ جامع و ہمہ گیر ہے، اخلاق اس کی روح ہے، انسانیت و مساوات اور عدل و اخوت اس کے ستون ہیں، علم اس کا شعار ہے اور دنیا و آخرت کا توازن اس کی پہچان ہے۔ یہی خصائص اسے ایک زندہ، عالمگیر اور لازوال تہذیب بناتے ہیں۔

سوال نمبر :3 اسلامی تہذیب میں زوال کے اسباب تحریر کریں۔) نمبر(20 :

اسلامی تہذیب میں زوال کے اسباب تحریر کریں۔

تعارف

اسلامی تہذیب نے تقریباً آٹھ صدیوں تک دنیا کی علمی، سیاسی اور تہذیبی قیادت کی۔ بغداد، دمشق، قرطبہ اور قسطنطنیہ کے بعد کے مسلمان شہر علم و فن کے مرکز تھے، مگر پھر بتدریج یہ تہذیب زوال کا شکار ہوئی اور آخر کار سیاسی غلبہ اور علمی قیادت مغرب کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اس زوال کے اسباب کا جائزہ لینا محض تاریخی دلچسپی کا معاملہ نہیں، بلکہ یہ موجودہ امتِ مسلمہ کے احیا کے لیے بھی ناگزیر ہے، کیونکہ جو قوم اپنے زوال کے اسباب نہ جانے وہ اسی غلطی کو دہراتی رہتی ہے۔

مفکرین نے اس زوال کی مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔ بعض نے بیرونی حملوں کو ذمہ دار ٹھہرایا اور بعض نے داخلی کمزوریوں کی طرف اشارہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال کسی ایک سبب کا نتیجہ نہیں ہوتا؛ داخلی انحطاط بیرونی یلغار کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ذیل میں اسلامی تہذیب کے زوال کے اہم داخلی و خارجی اسباب کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

دینی روح کی کمزوری اور فرقہ واریت

زوال کا پہلا اور بنیادی سبب دین کی اصل روح سے دوری ہے۔ جب مسلمانوں میں توحید، تقویٰ، ایثار اور آخرت کی فکر کمزور ہوئی اور دین محض رسموں کا مجموعہ بن کر رہ گیا تو تہذیب کی اندرونی قوت ختم ہو گئی۔ قرآن سے عملی تعلق کم ہوا اور علمِ دین چند رسمی مباحث تک محدود ہو گیا۔ دینی قیادت میں بھی اہلیت کی بجائے رسمی مناصب کی اہمیت بڑھ گئی۔

دوسرا بڑا سبب فرقہ واریت اور باہمی اختلافات ہیں۔ امت چھوٹے چھوٹے فقہی و کلامی اختلافات کو بنیاد بنا کر گروہوں میں بٹ گئی اور ہر گروہ دوسرے کی تکفیر و تضلیل میں مصروف ہو گیا۔ اس انتشار نے اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ علامہ اقبال نے اسی لیے فرقہ بندی کو امت کی موت قرار دیا اور اتحاد کی دعوت دی۔ جب داخلی جنگیں معمول بن جائیں تو کوئی تہذیب بیرونی مقابلے کے قابل نہیں رہتی، چنانچہ اندلس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں باہمی لڑائیوں کی وجہ سے ایک ایک کر کے ختم ہو گئیں۔

سیاسی انتشار اور اقتدار کی کشمکش

سیاسی اعتبار سے خلافت کا وحدت بخش نظام رفتہ رفتہ ختم ہو گیا اور مسلم دنیا خودمختار سلطنتوں اور امارتوں میں تقسیم ہو گئی۔ خلافتِ عباسیہ کے دورِ آخر میں خلیفہ برائے نام رہ گیا اور اصل اقتدار امیروں اور فوجی سرداروں کے

ہاتھ میں چلا گیا۔ تخت کے لیے بھائیوں اور باپ بیٹوں کی لڑائیاں عام ہو گئیں اور اقتدار کی اس کشمکش نے ریاستوں کو اندر سے کمزور کر دیا۔

حکمرانوں کی عیاشی اور ذاتی مفاد پرستی نے بھی زوال کو تیز کیا۔ خزانے عوامی فلاح کی بجائے محلات، حرم سرا اور عیش و عشرت پر خرچ ہونے لگے۔ اہل و قابل لوگوں کی بجائے چاپلوسوں کو مناصب ملے اور میرٹ کا نظام ختم ہو گیا۔ مستبدانہ طرزِ حکومت نے شورائیت کی اسلامی روایت کو کمزور کیا، جس کے نتیجے میں عوام ریاست سے کٹ گئے۔ جب عوام اور حکمران کے درمیان اعتماد ختم ہو جائے تو تہذیب کی بنیادیں ہل جاتی ہیں، اور مسلمانوں کے ساتھ یہی ہوا۔

علمی جمود، تقلید اور تحقیق سے دوری

علمی زوال اس تہذیب کے زوال کا تیسرا بڑا سبب ہے۔ ابتدائی صدیوں میں مسلمان سائنس، طب، ریاضی اور فلسفے میں دنیا کے استاد تھے، مگر بعد میں اجتہاد کے دروازے بند سمجھ لیے گئے اور تقلیدِ جامد نے تحقیق و تخلیق کی جگہ لے لی۔ مدارس کا نصاب چند مخصوص کتب کے گرد محدود ہو گیا اور تجرباتی علوم سے توجہ ہٹ گئی۔ یورپ نے جب چھاپہ خانہ ایجاد کیا تو مسلم دنیا میں اس کی قبولیت میں طویل تاخیر ہوئی، جس سے علم کی اشاعت میں مسلمان پیچھے رہ گئے۔

اس جمود کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ نے مسلمانوں ہی کے علوم کو بنیاد بنا کر سائنسی انقلاب برپا کر دیا اور مسلمان تماشائی بنے رہے۔ تصوف کی بعض بگڑی ہوئی صورتوں نے بھی ترکِ دنیا اور بے عملی کو فروغ دیا، حالانکہ اصل تصوف اخلاق و روحانیت کی اصلاح کا ذریعہ تھا۔ جب کسی قوم میں سوال کرنے اور نئی راہیں تلاش کرنے کی جرات ختم ہو جائے تو اس کا علمی زوال یقینی ہو جاتا ہے، اور مغرب کی یونیورسٹیاں اسی دوران تحقیق کی بنیاد پر آگے بڑھتی رہیں۔

اخلاقی انحطاط اور معاشی کمزوری

اخلاقی و معاشی اسباب بھی زوال میں اہم کردار رکھتے ہیں۔ امرا و حکام میں رشوت، اقربا پروری اور لوٹ کھسوٹ عام ہوئی اور عدالتیں انصاف کی بجائے سفارش پر فیصلے کرنے لگیں۔ سود و سٹہ، ذخیرہ اندوزی اور ناپ تول میں کمی جیسی برائیاں معاشرے میں سرایت کر گئیں جن کی اسلام نے سخت ممانعت کی تھی۔ جب اخلاقی اقدار کمزور ہوں تو معاشی نظام بھی اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔

معاشی طور پر زمین داری کا نظام کسان کے استحصال کا ذریعہ بن گیا، تجارتی راستوں پر بحری طاقتوں، یعنی پرتگال، ہالینڈ اور برطانیہ نے قبضہ کر لیا اور مسلم تجارت زوال پذیر ہوئی۔ نئی صنعتی ٹیکنالوجی سے بے خبری نے مقامی صنعتوں کو تباہ کر دیا، کیونکہ یورپی مشینی مال سستا اور وافر تھا۔ خزانے خالی ہونے سے فوجیں کمزور ہوئیں اور ریاستیں قرضوں کے بوجھ تلے دب گئیں۔ یوں معاشی کمزوری نے سیاسی کمزوری کو مزید گہرا کر دیا۔

خارجی اسباب :صلیبی جنگیں، منگول یلغار اور استعمار

بیرونی عوامل نے داخلی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ گیارہویں صدی کے آخر میں شروع ہونے والی صلیبی جنگوں نے مسلم دنیا کو طویل عرصے تک جنگ و جدل میں مبتلا رکھا۔ تیرہویں صدی میں منگولوں کی یلغار نے تباہی مچائی؛1258ء میں ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا تو لاکھوں انسان قتل ہوئے، کتب خانے جلا دیے گئے اور دجلہ کا پانی کتابوں کی سیاہی سے سیاہ ہو گیا۔ یہ علمی و تہذیبی نقصان ناقابلِ تلافی تھا۔

پندرہویں صدی کے بعد یورپی استعمار نے مسلم دنیا کو بتدریج اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اندلس سے مسلمانوں کا مکمل صفایا ہوا، ہندوستان میں پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی اور پھر برطانوی تاج نے حکومت قائم کی، اور آخر کار خلافتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کر کے پورا مشرقِ وسطیٰ یورپی طاقتوں میں بانٹ دیا گیا۔ استعمار نے نہ صرف وسائل لوٹے بلکہ تعلیمی نظام، زبان اور ثقافت کو بھی بدل ڈالا تاکہ ذہنی غلامی مستقل ہو جائے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بیرونی حملے تبھی کامیاب ہوتے ہیں جب اندرونی دفاع کمزور ہو چکا ہو۔

نتیجہ

نتیجتاً اسلامی تہذیب کا زوال کسی ایک وجہ سے نہیں بلکہ اسباب کے ایک مجموعے سے واقع ہوا :دینی روح کی کمزوری، فرقہ واریت، سیاسی انتشار، علمی جمود، اخلاقی و معاشی انحطاط اور پھر صلیبی جنگوں، منگول یلغار اور استعمار کی صورت میں بیرونی حملے۔ اس تجزیے کا سبق یہ ہے کہ تہذیبیں بیرونی دشمن سے کم اور اپنی داخلی کمزوریوں سے زیادہ مرتی ہیں۔ اگر آج کی امتِ مسلمہ اتحاد، علم و تحقیق، عدل اور اخلاقی اقدار کی طرف لوٹ آئے تو اس تہذیب کا احیا ناممکن نہیں، کیونکہ اس کی بنیادیں وحی کی صورت میں آج بھی محفوظ اور زندہ ہیں۔

سوال نمبر :4 عالم عربی کی اسلامی دنیا میں کیا اہمیت ہے؟ وضاحت کریں۔) نمبر : 20)

عالم عربی کی اسلامی دنیا میں کیا اہمیت ہے؟ وضاحت کریں۔

تعارف

عالمِ عربی سے مراد وہ ممالک و علاقے ہیں جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے اور عرب ثقافت و تہذیب کا غلبہ ہے، یعنی جزیرہ نما عرب سے لے کر شام، عراق، مصر، سوڈان اور شمالی افریقہ کے ممالک تک پھیلا ہوا وسیع خطہ، جس کی نمائندگی آج عرب لیگ کرتی ہے۔ اسلامی دنیا میں اس خطے کی اہمیت محض جغرافیائی یا سیاسی نہیں بلکہ بنیادی طور پر دینی، تاریخی، لسانی اور تمدنی ہے، کیونکہ اسلام کا ظہور اسی سرزمین سے ہوا اور اس کے مقدس ترین مقامات اسی خطے میں واقع ہیں۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کا رخ نماز میں مکہ مکرمہ کی طرف ہوتا ہے، حج و عمرے کے لیے لاکھوں فرزندانِ توحید اسی خطے کا رخ کرتے ہیں اور قرآن مجید اسی خطے کی زبان میں نازل ہوا۔ اس جواب میں عالمِ عربی کی دینی، تاریخی، لسانی و ثقافتی، جغرافیائی و سیاسی اور معاشی اہمیت کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا تاکہ واضح ہو کہ اسلامی دنیا میں اس خطے کا مرکزی مقام کیوں ہے۔

دینی اہمیت :حرمین شریفین اور قبلہ

عالمِ عربی کی سب سے بڑی اہمیت اس کی دینی حیثیت ہے۔ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ واقع ہے جو مسلمانوں کا قبلہ ہے؛ دنیا کے ہر خطے کا مسلمان دن میں پانچ مرتبہ اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتا ہے۔ یہی وہ شہر ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ولادت ہوئی، وحی کا آغاز غارِ حرا سے ہوا اور اسلام کی پہلی دعوت کا مرکز بنا۔ مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا روضۂ اطہر ہے، جہاں ہر مسلمان زندگی میں کم از کم ایک بار حاضری کی آرزو رکھتا ہے۔

بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ بھی اسی خطے میں ہیں جو مسلمانوں کا قبلۂ اول اور معراج کی یادگار ہے۔ ہر سال حج کے موقع پر لاکھوں مسلمان اسی سرزمین پر جمع ہوتے ہیں جو امت کی وحدت کا سب سے بڑا عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔ یوں

عالمِ عربی روحانی اعتبار سے پورے عالمِ اسلام کا قلب ہے اور اس کی سرزمین سے دنیا بھر کے مسلمانوں کا قلبی و روحانی تعلق کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔

تاریخی اہمیت :اسلام کا گہوارہ اور مرکزِ اشاعت

تاریخی اعتبار سے عالمِ عربی اسلام کا گہوارہ ہے۔ اسی خطے سے اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا، یہیں پہلی اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہوئی اور یہیں سے فتوحات کا سلسلہ شروع ہو کر اسلام تین براعظموں تک پھیلا۔ خلافتِ راشدہ کا مرکز مدینہ رہا، پھر دمشق اموی خلافت کا اور بغداد عباسی خلافت کا دارالحکومت بنا، اور یہ شہر صدیوں تک دنیا کے علم و تہذیب کے مرکز رہے۔

اسلامی تاریخ کے عظیم واقعات، جنگیں، علمی تحریکیں اور فکری ادارے اسی خطے سے وابستہ ہیں۔ فقہ کے چاروں ائمہ، محدثین، مفسرین اور عظیم اہل علم کی غالب اکثریت کا تعلق اسی سرزمین یا اس کے علمی مراکز سے رہا۔ قاہرہ کی جامعہ ازہر تقریباً ایک ہزار سال سے علومِ اسلامیہ کا مرکز چلی آ رہی ہے۔ اس تاریخی مرکزیت کی وجہ سے عالمِ عربی کو اسلامی تہذیب کا اصل ماخذ و مرجع سمجھا جاتا ہے اور مسلم دنیا کے مذہبی رجحانات پر اس کے اثرات آج بھی نمایاں ہیں۔

لسانی و ثقافتی اہمیت :قرآن کی زبان

عربی قرآن مجید، حدیث اور تمام بنیادی اسلامی علوم کی زبان ہے۔ نماز، اذان اور بنیادی دعائیں دنیا بھر میں عربی ہی میں ادا کی جاتی ہیں، چاہے مسلمان کسی بھی زبان کا بولنے والا ہو۔ اس لیے عربی زبان پوری امت کے لیے ایک مشترک لسانی و ثقافتی رشتہ ہے جو عرب و عجم کو ایک تہذیبی وحدت میں پروتا ہے۔ پاکستان، ترکی، ایران اور وسطی ایشیا کی زبانوں پر عربی کے گہرے اثرات موجود ہیں اور ان کی رسم الخط یا ذخیرۂ الفاظ عربی سے ماخوذ ہے۔

عالمِ عربی کی جامعات، مذہبی ادارے، لائبریریاں اور نشریاتی ذرائع پورے عالمِ اسلام کے لیے علمی و دینی مواد کی فراہمی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ قرآن مجید کی طباعت، تراجم اور دینی کتب کی اشاعت میں سعودی عرب اور مصر جیسے ممالک کا کردار غیر معمولی ہے۔ اسی طرح عرب ثقافت، لباس، مہمان نوازی اور قبائلی روایات نے مسلمان معاشروں کی ثقافت پر اثرات مرتب کیے ہیں۔ یوں عالمِ عربی اسلامی دنیا کا ثقافتی دل بھی ہے۔

جغرافیائی، سیاسی اور معاشی اہمیت

جغرافیائی طور پر عالمِ عربی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے۔ نہر سویز، باب المندب اور آبنائے ہرمز جیسی عالمی تجارتی گزرگاہیں اسی خطے میں ہیں، جن سے دنیا کی تجارت کا بڑا حصہ گزرتا ہے۔ یہ مرکزی محلِ وقوع اس خطے کو عالمی سیاست میں غیر معمولی اہمیت دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عالمی طاقتیں ہمیشہ اس خطے میں دلچسپی رکھتی ہیں۔

معاشی اعتبار سے خلیجی ممالک دنیا کے سب سے بڑے تیل و گیس کے ذخائر رکھتے ہیں، جس کی بنا پر یہ خطہ عالمی توانائی کی معیشت کا مرکز ہے۔ یہی دولت ان ممالک کو عالمِ اسلام میں بھی ایک خاص مقام دیتی ہے؛ لاکھوں مسلمان مزدور اور ماہرین ان ممالک میں روزگار حاصل کرتے ہیں اور ان کی ترسیلاتِ زر بہت سے مسلم ممالک کی معیشت کا سہارا ہیں۔ سیاسی طور پر مسئلہ فلسطین، عرب لیگ اور او آئی سی میں عرب ممالک کی تعداد اس خطے کو اجتماعی فیصلوں میں وزنی حیثیت دیتی ہے، اگرچہ حالیہ تقسیم و اختلافات اس اثر کو کمزور بھی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عالمِ عربی کی اہمیت صرف ماضی یا مذہب تک محدود نہیں بلکہ مستقبل کے اعتبار سے بھی بڑھ رہی ہے۔ خلیجی ممالک تعلیم، ٹیکنالوجی، کھیل اور سیاحت میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کر رہے ہیں اور دنیا بھر کے مسلمان طلبہ کے لیے ان ممالک کی جامعات مطالعے کی منزل بن رہی ہیں۔ او آئی سی اور دیگر بین الاقوامی فورموں پر مسلم دنیا کے مسائل اجاگر کرنے میں عرب ممالک کی سفارتی آواز کو وزن حاصل ہے، اور پاکستان سمیت بہت سے مسلم ممالک کے لاکھوں خاندانوں کا روزگار بھی اسی خطے سے وابستہ ہے۔ اسی طرح عرب ذرائع ابلاغ، اشاعتی ادارے اور دینی نشریات دنیا بھر کے مسلمانوں کی فکری تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یوں عالمِ عربی ماضی کا وارث، حال کا مرکز اور مستقبل کی سمت متعین کرنے والا خطہ ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ اسلامی دنیا میں عالمِ عربی کی اہمیت کثیر الجہتی ہے :دینی اعتبار سے حرمین شریفین اور قبلۂ اول کی سرزمین ہونے کی وجہ سے یہ امت کا روحانی قلب ہے، تاریخی اعتبار سے اسلام کا گہوارہ اور تہذیب کا ماخذ ہے، لسانی اعتبار سے قرآن کی زبان کا وارث ہے، اور جغرافیائی و معاشی اعتبار سے عالمی تجارت و توانائی کا مرکز ہے۔ تاہم اس

مرکزیت کے ساتھ ذمہ داری بھی بڑی ہے؛ عالمِ عربی کا اتحاد و استحکام پورے عالمِ اسلام کے وقار و ترقی سے جڑا ہوا ہے، اور اس کی کمزوری کے اثرات پوری امت کو بھگتنے پڑتے ہیں۔

سوال نمبر :5 مغربی نظام تعلیم پر نوٹ لکھیں۔) نمبر(20 :

مغربی نظام تعلیم پر نوٹ لکھیں۔

تعارف

مغربی نظامِ تعلیم سے مراد وہ تعلیمی ڈھانچہ اور فلسفۂ تعلیم ہے جو یورپ میں نشاۃ ثانیہ، اصلاحِ مذہب اور سائنسی انقلاب کے نتیجے میں بتدریج تشکیل پایا اور صنعتی انقلاب کے بعد جدید جامعات، اسکولوں اور فنی اداروں کی صورت میں دنیا بھر میں پھیلا۔ آج دنیا کے تقریباً تمام ممالک کا نظامِ تعلیم کسی نہ کسی درجے میں اسی نظام سے متاثر ہے، اس لیے اس کا مطالعہ اسلامی و مغربی تہذیب کے تقابلی مطالعے کا لازمی حصہ ہے۔

اس نوٹ میں مغربی نظامِ تعلیم کے تاریخی پس منظر، بنیادی خصوصیات اور ڈھانچے کا جائزہ لیا جائے گا، پھر اس کے مثبت پہلوؤں اور کمزوریوں کو بیان کیا جائے گا اور آخر میں اسلامی دنیا پر اس کے اثرات اور اسلامی نظامِ تعلیم سے اس کے بنیادی فرق کو واضح کیا جائے گا، تاکہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آ سکیں۔

تاریخی پس منظر

مغرب میں تعلیم کا آغاز یونانی فلسفے اور رومی اداروں سے ہوا، مگر قرونِ وسطیٰ میں تعلیم کلیسا کے اداروں تک محدود رہی جہاں لاطینی زبان میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی اور آزاد تحقیق کی گنجائش کم تھی۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں بولوگنا، پیرس اور آکسفورڈ جیسی پہلی جامعات وجود میں آئیں، جن میں سے بعض نے بعد میں خود مختاری حاصل کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مغربی جامعات کے قیام میں مسلمانوں کے اندلس و سسلی کے علمی مراکز کا بھی اثر تسلیم کیا جاتا ہے۔

پندرہویں و سولہویں صدی کی نشاۃ ثانیہ نے انسان مرکزیت، انسانی علوم اور قدیم یونانی و لاطینی ادب کی طرف توجہ پیدا کی۔ اصلاحِ مذہب نے بائبل کے ترجمے اور عام خواندگی کو فروغ دیا۔ سترہویں و اٹھارہویں صدی میں سائنسی انقلاب اور روشن خیالی نے عقل، مشاہدے اور تجربے کو علم کا معیار قرار دیا۔ صنعتی انقلاب کے بعد ریاست نے سب

کے لیے لازمی پرائمری تعلیم کا نظام بنایا، اور انیسویں و بیسویں صدی میں یہ نظام ڈگریوں، نصابوں اور تحقیقی جامعات کی صورت میں جدید شکل اختیار کر گیا۔

بنیادی خصوصیات اور ڈھانچہ

مغربی نظامِ تعلیم کی پہلی خصوصیت اس کا سیکولر کردار ہے، یعنی تعلیم کو مذہب سے الگ رکھا جاتا ہے اور سرکاری اداروں میں مذہبی تعلیم لازمی نہیں ہوتی۔ دوسری خصوصیت تخصص (Specialization) ہے؛ طالب علم ابتدائی عمومی تعلیم کے بعد کسی ایک شعبے میں مہارت حاصل کرتا ہے۔ تیسری خصوصیت تحقیق و تنقید پر زور ہے :طالب علم کو سوال کرنے، دلائل کا جائزہ لینے اور آزادانہ رائے قائم کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ڈھانچے کے اعتبار سے یہ نظام عام طور پر پرائمری، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے مراحل پر مشتمل ہے، جس میں جامعات، تکنیکی ادارے اور پیشہ ورانہ تربیت کے مراکز شامل ہیں۔ داخلے اور امتحانات عموماً مبنی ہوتے ہیں، اساتذہ کی باقاعدہ تربیت ہوتی ہے اور نصاب کو وقتاً فوقتاً جدید تقاضوں کے مطابق بدلا جاتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم میں تحقیقی ڈگریاں، جرائد، کانفرنسیں اور جامعات کی درجہ بندی اس نظام کا حصہ ہیں۔ حکومت اور نجی شعبہ دونوں اس میں کردار ادا کرتے ہیں اور تعلیم کو معاشی ترقی اور روزگار سے جوڑا جاتا ہے۔

مثبت پہلو

مغربی نظامِ تعلیم کے مثبت پہلوؤں سے انکار ممکن نہیں۔ اس نظام نے خواندگی کو عام کیا اور علم کو کلیسا و اشرافیہ کی اجارہ داری سے نکال کر عام انسان تک پہنچایا۔ سائنسی تحقیق کی منظم روایت نے طب، انجینئرنگ، ٹیکنالوجی اور قدرتی علوم میں حیرت انگیز ترقی پیدا کی جس سے انسانی زندگی کا معیار بلند ہوا۔ تجربہ گاہیں، تحقیق کے فنڈز اور علمی جرائد نے علم کو ایک مسلسل ترقی پذیر عمل بنا دیا۔

اس نظام نے خواتین کی تعلیم کو فروغ دیا، خصوصی بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا اور تعلیم کو قومی معیشت سے جوڑ کر ماہر افرادی قوت تیار کی۔ تنقیدی فکر نے جمہوری اقدار، انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی کے تصورات کو مضبوط کیا۔ قانون، طب اور انتظام جیسے شعبوں میں پیشہ ورانہ معیار قائم ہوئے۔ یہی وجوہ ہیں کہ دنیا بھر کے طلبہ آج بھی مغربی جامعات کی طرف رخ کرتے ہیں اور مسلم ممالک سمیت تمام دنیا اس نظام سے استفادہ کر رہی ہے۔

کمزوریاں اور تنقیدی جائزہ

تاہم مغربی نظامِ تعلیم کئی بنیادی کمزوریوں کا شکار بھی ہے۔ سب سے بڑی کمزوری اس کی مذہب و اخلاق سے بے تعلقی ہے۔ جب تعلیم کا مقصد محض روزگار اور مادّی کامیابی رہ جائے تو کردار سازی، روحانی تربیت اور اخلاقی اقدار پس منظر میں چلی جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی بدعنوانی، لالچ اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہو سکتے ہیں، کیونکہ نظام مہارت تو دیتا ہے مگر ضمیر کی تربیت نہیں کرتا۔

دوسری کمزوری مادّیت اور حد سے بڑھی تخصص ہے: انسان جزوی علم کا ماہر تو بن جاتا ہے مگر زندگی کے مجموعی مقصد اور کائنات سے اس کا تعلق نظر انداز ہو جاتا ہے۔ تیسری کمزوری تعلیم کی تجارت کاری ہے؛ اعلیٰ تعلیم مہنگی ہوتی جا رہی ہے اور طلبہ قرضوں کے بوجھ تلے دب رہے ہیں۔ مسابقت کے دباؤ نے ذہنی امراض میں اضافہ کیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ نظام" انسان سازی "کے بجائے" ماہر سازی "کرتا ہے، اور یہی اس کی اور اسلامی نظامِ تعلیم کی بنیادی خلیج ہے، جس میں علم کو وحی کی روشنی اور اخلاق کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔

اسلامی دنیا پر اثرات

برصغیر سمیت پوری اسلامی دنیا میں استعماری دور میں مغربی نظامِ تعلیم رائج ہوا۔ لارڈ میکالے کے نظام نے دینی مدارس کے نظام کو کمزور کیا اور ایک ایسی نسل تیار کرنے کی کوشش کی جو رنگ و نسل میں مقامی مگر ذہن و فکر میں مغربی ہو۔ آزادی کے بعد بھی مسلم ممالک اپنے تعلیمی نظام کو بڑی حد تک اسی ڈگر پر چلاتے رہے، جس کے نتیجے میں ایک طرف جدید ماہرین پیدا ہوئے اور دوسری طرف دینی و جدید تعلیم کی دوئی نے معاشروں میں ذہنی تقسیم پیدا کر دی۔

آج مسلم دنیا اس دوراہے پر ہے کہ مغربی نظام کی مفید چیزوں، یعنی تحقیق، میرٹ، تنظیم اور تکنیکی مہارت کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں اخلاقی و روحانی تربیت کا عنصر شامل کیا جائے۔ بہت سے مفکرین، جیسے سید نقیب العطاس اور اسماعیل الفاروقی، نے" اسلامائزیشن آف نالج "کی تجویز اسی مقصد کے تحت پیش کی کہ جدید علوم کو اسلامی نقطۂ نظر سے ہم آہنگ کیا جائے۔ یہ بحث اس بات کی غماز ہے کہ مغربی نظامِ تعلیم کا اثبات و نفی دونوں غیر متوازن رویے ہیں؛ درست طریقہ اس کا تنقیدی جائزہ لے کر بہتر ترکیب تلاش کرنا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ مغربی نظامِ تعلیم نشاۃ ثانیہ اور سائنسی انقلاب کی پیداوار ایک سیکولر، تحقیق محور اور تخصص پر مبنی نظام ہے جس نے علم کی ترویج، سائنسی ترقی اور ماہر افرادی قوت کی تیاری میں تاریخی کردار ادا کیا۔ مگر اخلاق و روحانیت سے خلا، مادّیت، تعلیم کی تجارت کاری اور انسان سازی کی کمی اس کی نمایاں کمزوریاں ہیں۔ اسلامی دنیا کے لیے سبق یہ ہے کہ اس نظام کی خوبیوں کو پرکھتے ہوئے اپنی دینی و اخلاقی بنیادوں کو تعلیم کا مرکز بنایا جائے، کیونکہ متوازن تعلیم وہی ہے جو انسان کو ماہر بھی بنائے اور باکردار انسان بھی۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com